بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

اشارات

خدا کا ہزار ہزار شکر کہ اس نے ہمیں اس خانقاہی تصورِ مذہب سے بچا لیا جو مسلمان کو حق و باطل کی بڑی بڑی رزمگاہوں سے الگ کرتا ہے اور حجرہ کی پرسکون چار دیواری میں بیٹھا کر یہ تلقین کرتا ہے کہ چشم بند و لب بند و گوش بند، انتہا یہ کہ قطرہ (بندہ) دریا (خدا) میں گم ہو جائے۔

اس خانقاہیت کے خلاف بہت چیخ پکار ہوئی، مگر یہ آج بھی اس معنی میں وسیع پیمانے پر موجود ہے کہ ہمارے مذہب پسند بھائیوں کی اکثریت نماز روزے، درود و سلام اور خطبہ و وعظ ہی کو خدا اور رسولؐ کی تعلیم ہدایت جانتی ہے، اس کے آگے جو کچھ ہے اسے دُنیا کے دوں کا کھیل تماشا گردانتی ہے۔ ہمارے اِردگرد بہت سے مذہبی حضرات ایسے ہیں کہ وہ سیاسی، معاشی اور بین الاقوامی دائروں میں دین کے تقاضوں کو نہ جانتے ہیں، نہ مانتے ہیں۔ بلکہ ایسے موضوعات پر گفتگو اور غور و بحث کرنے سے بھی کتراتے ہیں بعض ایسے گروہ ہیں کہ جن کے اکابر سیاسی عہدوں اور پارلیمانی نشستوں کو تو حاصل کرنے کے لیے ان کو استعمال کرتے ہیں، لیکن انہیں نہ سیاسی شعور دلاتے ہیں اور نہ معاشی یا دیگر اجتماعی مسائل سے آگاہ کرتے ہیں۔ وہ بچارے کیسے جان سکیں کہ کن حالات میں ملک کس مصیبت سے دوچار ہوگا۔ اور کن تدابیر سے اسلام کے اصول اپنے نفاذ کی راہ بنا سکیں گے اور عوام کے مسائل و مصائب کو حل کرنے کے لیے خدائی ہدایت موجودہ حالات میں کیسے کارفرما ہو گی؟ دُنیا میں کون سی نظریاتی و تحریکی اور تہذیبی و استعماری قوتیں ہمارے ملک اور دین کے خلاف

کن کن طریقوں سے کام کر رہی ہیں اور ان کے کیا اثرات ہمارے معاشرے پر پڑ چکے ہیں۔ اور ان قوتوں کا مقابلہ کرتے ہوئے زندہ رہنے کا طریقہ کیا ہے؟ افسوس کہ محدود مذہبیت کے علم بردار دورِ حاضر کی جاہلیت، پانچ صدیوں کی تاریخ اور اس میں واقع ہونے والے تغیرات اور ان کے اسباب اور رائج الوقت افکار، ادارات اور اصطلاحات تک سے پوری طرح واقف نہیں ہیں۔ بلکہ ان کو تو نسخۂ قوت کا یہ جزوِ اعظم بھی معلوم نہیں کہ آج کے اسلام دشمن اور مسلم کش حالات اور انتشاری فتنوں کے ہوتے ہوئے اسلامی عناصر کو اتحاد کرنا چاہیے۔

خیر، ہمیں دو سعدوں کے لیے اچھی دعائیں کرتے ہوئے اس خوش نصیبی پر خدا کا شکر ادا کرنا چاہیے کہ ہم خانقاہیت کے طلسم ہوش ربا سے بچ نکلے، مگر اس خوش نصیبی کی وجہ سے ہم پر ذمہ داریاں بھی زیادہ بھاری عاید ہوتی ہیں۔

اس وقت ہمارے سامنے بیں گراں بار ذمہ داریاں ہیں۔ لیکن آگے چل کر فرائض کا بوجھ اور بھی زیادہ ہو سکتا ہے۔

یہ تو ظاہر ہے کہ تاریخ میں کسی بھی حالت کو دوام نہیں، سب کچھ عارضی ہوتا ہے۔ ہر ایک تہذیب یا تحریک، اور قوت یا حکومت کے لیے ایک اجل مسمی ہوتی ہے۔ جو حالات کل تک تھے۔ وہ اب نہیں ہیں اور جو آج ہیں وہ کل نہیں رہ سکتے۔

گردشِ روز و شب کی گواہی یہ ہے کہ ہمارے معاشرے میں کسی نہ کسی شکل میں تبدیلی آنے والی ہے۔ جب کبھی اجتماعی زندگی میں تبدیلی واقع ہوتی ہے تو صرف ایسی قوتیں فائدے میں رہتی ہیں۔ جن کی بصیرت پہلے سے سلسلۂ احوال کو سمجھتی ہے اور جن میں اتنی حرکت و حرارت ہوتی ہے کہ وہ مسابقت کے میدان میں تگ و تاز کا حق ادا کر دیتی ہیں۔

تبدیلی جب آتی ہے تو کسی بلند کو پست اور کسی پست کو بلند کر دیتی ہے اور کسی کو قوی تر اور کسی کو ضعیف تر بنا دیتی ہے۔ اس کا سارا انحصار اس بات پر ہوتا ہے کہ کسی گروہ کے پاس پہلے سے سرمایۂ قوت کیا ہے۔ گروہوں اور تحریکوں اور جماعتوں کی سیاسی قوت اس اثر و نفوذ سے

بنتی ہے جو انہیں معاشرے میں حاصل ہوتا ہے۔

پس کسی تبدیلی سے پہلے جو مہلت ملے، زندہ تحریکیں اور بیدار جماعتیں اس کو رابطہ عام کے لیے وقف کر دیتی ہیں۔ ۱۹۷۱ء کے بعد جو مہلت ہمیں ملی تھی اس کو اگر ۵، ۶ سال تک صحیح اور جامع طریقے سے توسیعِ دعوت اور رابطۂ عام اور اصلاح معاشرہ کے لیے استعمال کیا گیا ہوتا تو قوم کا نقشۂ احوال دوسرا ہوتا۔ خیر اس دورِ رفتہ میں جو کچھ اور جتنا کچھ ہو سکا، غنیمت۔ آج مسئلہ یہ ہے کہ کسی آنے والی تبدیلی سے پہلے اب جو تھوڑی سی مہلت باقی ہے، آیا ہم اُسے مجاہدانہ جذبے سے بھرپور طور پہ استعمال کر سکتے ہیں۔ آخر کر کیوں نہیں سکتے؟ صرف ارادے اور ہمتِ مردانہ کی ضرورت ہے۔ اُٹھیے اور گھر سے نکلیے اور لوگوں کے قریب ہو کر اُن کو اپنے قریب کر لیجیے۔ ورنہ کوئی مخالفِ اسلام اور معاندِ وطن قوت ان کو نگل جائے گی۔ بین الاقوامی سازشوں اور شرارتوں، اعتقادی تفرقوں اور علاقائی و لسانی عصبیتوں، مغربی ثقافت کے فتنوں اور حرصِ معیشت کا جو سیلاب چڑھ رہا ہے اس میں ڈوبنے سے ایک ایک برادرِ ملت اور ایک ایک ہم وطن کو بچائیے اور جو موجوں کی گرفت میں آچکے ہیں انہیں چھڑا لیجیے۔ یہ ہے ایک عظیم الشان نیکی!

کرنے کا یہ کام نہیں کرو گے تو تمہاری قوتیں زنگ آلود ہو جائیں گی، تم اگر پھیلو گے نہیں تو لا زماً سکڑو گے، تم اگر بلندیوں کی طرف چڑھنا بند کرو گے تو تاریخ کی قوتیں تمہیں پستیوں کی طرف لڑھکا دیں گی۔

گھروں میں دبک کر بیٹھ رہنے کا یہاں کوئی مقام نہیں۔ دولت کے ڈھیر کما کر دن رات سکے گنتے رہنے سے زندگی نہیں ملتی۔ آسائشوں کے سامان اپنے گرد جمع کر کے اپنے آپ کو ان آفات سے نہیں بچایا جا سکتا جو جنگل کے درندوں کی طرح دھاڑتی اور چنگھاڑتی چاروں طرف منڈلا رہی ہیں۔ اپنے دفتروں اور مجلسوں کو نئی طرز کی خانقاہیں نہ بنا لیجیے کہ اچھے لوگوں سے مل لیے اور اچھی باتیں سن لیں اور واپس جا کر پھر جمود اور ناکارگی میں ڈوب گئے۔

ذرا دماغ کو ٹٹول کر دیکھیے، اگر برف کی تہہ اُن پہ جم گئی ہو تو اُسے کھرچ کے الگ کیجیے

اور دل کو دلِ زندہ اور دماغ کو دماغِ روشن بنایئے اور پھر دعوتِ حق کی مشعل ہاتھ میں لے کر نکلیے اور اندھیروں میں گھرے ہوئے بندگانِ خدا کے اندر ایمان کے چراغ روشن کر دیجیے۔

کبھی کبھار کوئی دوست پوچھ بیٹھتا ہے کہ دعوت کو پھیلانے کے لیے رابطہ عام کیسے بڑھایا جائے؟

میرے نزدیک اس سوال ہی میں ایک کمزوری چھپی ہوئی ہے۔ وہ یہ کہ بعض لوگ دعوتِ حق کے کام کو اس طرح دیکھتے ہیں، جیسے وہ کسی دوسرے کا کام ہو اور ان کے سر پر آ پڑا ہو۔ وہ اسے اپنا کام اور اپنا مقصدِ حیات سمجھتے تو ذہنی کاوشوں سے کام لے کر دعوت کی نئی نئی راہیں نکالتے اور رابطوں کے مختلف تجربے کرتے۔ اور میں نے ایسے حضرات کو دیکھا ہے جو بینائی سے یا ہاتھ سے یا ٹانگ سے معذور ہیں اور اس کے باوجود ہنستے مسکراتے چہرے کے ساتھ راہ حق میں نکلتے اور اپنی دعوت کے لیے مخاطبین کو تلاش کر لیتے ہیں اور اپنی بات کو دلوں میں اتارنے کے لیے اسلوب بھی خود ہی دریافت کر لیتے ہیں۔

اس سلسلے میں مولانا مودودیؒ نے اس شخص کی مثال دی ہے جس کا بچہ بیمار ہو اور وہ اس کے علاج معالجہ کے لیے دوڑ دھوپ کرے۔ بالکل ایسی ہی محبت اور ایسی ہی دردمندی آدمی میں اسلامی دعوت اور بندگانِ خدا کے لیے ہونی چاہیے۔

کیا وہ دور کارکن احباب کو یاد نہیں رہا جب کہ ہر شخص لٹریچر ساتھ لیے جدھر جاتا موزوں افراد کی تلاش کر کے ان سے گفتگو میں کرتا اور آخر میں ان کو پڑھنے کی کوئی چیز دے آتا۔ پھر یہ سلسلہ ربط اس وقت تک جاری رہتا جب تک کوئی فیصلہ کن مرحلہ نہ آجاتا۔ میرا خیال ہے کہ اکثر صورتوں میں مثبت نتائج نکلتے۔

آج بھی اصولی طور پر یہی راستہ ہے کام کو ترقی دینے کا۔

تاہم چند تفصیلی اشارات عرض کیے جاتے ہیں:۔

۱۔ اول تو یہ فیصلہ کر لیجیے کہ آپ کو میدان میں نکل کر کام کرنا ہے اور روزانہ اس کے لیے کچھ نہ کچھ وقت نکالنا ہے۔

۲۔ سب سے پہلے آپ کے پاس اپنے گھر کے افراد ہیں۔ ان کو درس دیجیے، کبھی کوئی چیز پڑھ کر سنوائیے، کبھی کسی بچے سے پڑھوا کر گھر کی مجلس میں سنیے۔

۳۔ پھر آپ کا خاندان ہے۔ ذوی القربیٰ بطور مہمان آتے جاتے رہتے ہوں گے۔ ان سے گفتگو کا موقع بھی ہو سکتا ہے اور مطالعہ بھی کرایا جا سکتا ہے۔ ان کے بچوں کو عمر کے مطابق پڑھنے کی کوئی چیز تحفہ میں دی جا سکتی ہے۔

۴۔ آپ کے پڑوسی ہیں۔ ان کی شادی غمی کے موقعوں پر ان کے قریب جائیے، جنازوں میں شرکت کیجیے، بیمار پرسی کیجیے۔ کسی کو تکلیف میں مدد دیجیے، کسی کے بچے کو گھر میں قرآن پڑھوا دیجیے، ہسپتالوں اور سکولوں میں داخلے کے لیے مدد بہم پہنچائیے، دفتری معاملات کے لیے درخواستیں لکھ دیجیے۔

اور ان ساری صورتوں میں جہاں بھی خدا، دین یا اسلامی نظام اور جمہوریت و سیاست یا اخلاق کی گفتگو کا راستہ نکلے اس سے فائدہ اٹھائیے۔

۵۔ جہازوں، ریلوں اور بسوں میں سفر کرتے ہوئے، مسافر خانوں میں بیٹھے ہوئے، بس اسٹاپ پر کھڑے ہوئے ڈھب کے آدمیوں پر نشان دہ کیجیے۔ جہاں کوئی موقع بات کرنے کا ملے، اس سے فائدہ اٹھائیے۔

۶۔ ملازمت یا کاروبار کے سلسلے میں جن لوگوں سے سابقہ پڑتا ہو ان میں سے بہتر افراد کو خاص طور پر مختلف مواقع پر مختلف اسالیب سے دعوت پہنچائیے۔

۷۔ اچھے شریف افراد کو اختلاف رائے کے باوجود عام زندگی میں دوست بنائیے۔ کبھی ان کے گھر جا کر اور کبھی ان کو اپنے ہاں بلا کر بے تکلفی پیدا کیجیے اور پھر ان کو دعوت سے متاثر کرنے کی کوشش کیجیے۔ غمزدہ اور پریشان افراد کو محسوس کرائیے کہ خدا اور اس کا دین ہی ذریعہ تسکین ہو سکتا ہے۔

یہ اصولی بات ذہن میں رکھیے کہ جہاں تک مستقل بنیادی کام کا تعلق ہے۔ آپ کو اوّلاً خدا پرستی اور دین اور اخلاق کی دعوت دینی ہے۔ باقی رہے سیاسی مسائل سو وہ بعد کی چیزیں ہیں۔

۸ — کام کا ایک مستقل راستہ یہ ہے کہ رشتہ داروں اور دوستوں، استادوں اور شاگردوں اور دوسرے متعارف لوگوں کو خاص خاص حالات میں اور خاص خاص مواقع پر دعوتی خطوط لکھیے۔ اور پھر جن لوگوں سے خط و کتابت کا سلسلہ چل نکلے، اسے جاری رکھیے۔

۹ — احباب کو (بلکہ کبھی مخالفین کو بھی) کوئی اچھی کتاب تحفۃً دیجیے۔

۱۰ — اخبارات و رسائل میں مضامین، مراسلات اور خطوط لکھتے رہیے۔ اگر کسی اخبار میں کوئی دینی بحث اُٹھے، آپ اس میں دلچسپی لیں اور ضروری محسوس ہو تو مختصر سا مدلل و شستہ جواب لکھیں۔

۱۱ — محلے کی سطح سے دیگر مختلف دائروں تک — مجالس، کمیٹیاں، پلیٹ فارم اور فورم بنائیے جہاں آپ کے لیے اپنے خیالات پیش کرنا آسان ہو۔

۱۲ — علمی شخصیتیں، محققین، اخبار نویس، ادیب، استاذ، وکیل اپنے اپنے دائرے کے مفید بہت کام کر سکتے ہیں۔

ضروری نہیں کہ تمام صورتوں کا پوری طرح استقصا ہو سکے۔ چند اہم خطوط عرض کر دیے گئے ہیں۔ ان کو سامنے رکھ کر اپنے ذوق اور حالات کے مطابق ہر شخص جادۂ کار تجویز کر سکتا ہے۔

آخری اور اہم ترین گذارش یہ ہے کہ تحریک اسلامی کا اثاثہ اس کی اخلاقی روح ہے، جسے کسی بھی حال میں ترک نہیں کیا جا سکتا۔ بلکہ اُلٹا جتنی زیادہ سخت جدوجہد سامنے ہو، جتنی بڑی سرگرمی درپیش ہو، اتنے ہی زیادہ مضبوط اخلاق کی ضرورت ہے۔

اخلاق محض سرمایۂ آخرت ہی نہیں ہے، دنیوی کشاکش میں بھی بہت موثر قوت ہے۔ رزمِ حق و باطل میں تو وہ شرطِ لازم ہے۔

جو لوگ اخلاقی لحاظ سے ڈھیلے اور پلپلے ہوں، وہ اور کوئی کام کر سکیں تو شاید کر سکیں، مگر خدا اور رسول کے دین کی بہ تدریج کا معرکہ کامیابی سے نہیں لڑ سکتے۔

یہ کام اُن لوگوں کے کرنے کا ہے ہی نہیں جو دن رات دُنیوی مفاد سمیٹنے میں لگے رہیں، جن کی دوستیاں اور دشمنیاں دولتِ دُنیا کی وجہ سے ہوں، جن کی نفرتیں اور محبتیں ان کی خواہشات کے تابع ہوں، جو حدود و حلال و حرام کو نہ پہچانیں جو صریح اور واضح قسم کے احکامِ شریعت کی تاویلیں اپنی منفعت اور آرام کے لیے کریں، جو رفقائے مقصد کے لیے بہ سوں دلوں میں کینہ کو پرورش دے سکتے ہوں، جو غیبت اور چغلی کر سکتے ہوں جو خیانت اور تشدد سے بھی مطلب نکال سکتے ہوں، جو جتھا بندیوں کی تشکیل کر لیں، جو سمع و طاعت کا حق ادا نہ کر سکیں، لین دین کے کھرے نہ ہوں، جو کامیابی کے حصول کے لیے جھوٹ بولنے اور فریب دینے کو مباح سمجھیں، جو کبر و غرور میں مبتلا ہو کر ساتھیوں کی تضحیک و تحقیر کر سکتے ہوں، جن کی نگاہوں میں پاکیزگی نہ ہو، جن کے کلام میں سنجیدگی اور معقولیت نہ ہو، جن کی ہر بحث کج بحثی ہو، جن کو لغویات سے دلچسپی ہو، جو اختلاف اور تنقید و احتساب کو گوارا نہ کر سکیں، جو غلطیوں پر معافی مانگنے کی جرأت نہ رکھتے ہوں، جو کام کرنے اور خدمت انجام دینے کے جذبے سے زیادہ کوئی بڑائی، کوئی اہمیت اور کوئی مرتبہ حاصل کرنے کے درپے رہیں، جو تحریکِ اسلامی کے کھلے کھلے مخالفین کو ڈھونڈ ڈھونڈ کر اُن کے مغالطے رفع کرنے کے بجائے ان سے یگانگت کے تعلقات جوڑیں۔

سہواً اکا دکا کسی غلطی کا ہو جانا اور چیز ہے اور سرے سے کردار کی ساخت ہی میں مستقل غلطی کا شامل رہنا اور چیز ہے۔ ایسے لوگ جن کے کردار کو مستقلاً گھن لگا ہوا ہو ان کے کرنے کے کام اور بہت ہیں۔

بہرحال یہ بات اچھی طرح ذہن نشین رہے کہ وہ نقشۂ اخلاق جو قرآن و حدیث میں ہے اور جسے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابۂ کرامؓ نے عملاً دُنیا کے سامنے رکھا وہ محض مومن کی شخصیت کا سامانِ زینت نہیں ہے، بلکہ اس کے لیے لازم ہے اور عین تقاضائے ایمان اور منشائے قرآن ہے۔ دعوت سے سیاست تک، ہر کام اسی غرض کے لیے ہے کہ یہ نقشۂ اخلاق غالب ہو جائے۔ نہ یہ کہ کسی بڑے سے بڑے دنیوی مفاد یا سیاسی قوت کے لیے اسے بطور قیمت صرف کر دیا جائے۔